ڈاکٹر ظفر الاسلام

علمِ قرآن عہدِ سلطنت کے ہندوستان میں

(بشکریہ' علوم القرآن' انڈیا)

عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں مذہبی علوم و فنون کی نشر و اشاعت اس کی علمی و تمدنی سرگرمیوں کا ایک اہم باب ہے۔ معاصر و غیر معاصر دونوں قسم کے مآخذ میں اس دور میں مذہبی علوم کی ترویج و ترقی اور اصحاب علم و فضل کے کارناموں کی تفصیلات ملتی ہیں۔ اس دور بالخصوص اس کے پہلے حصہ کی بابت جو عہد سلطنت (۱۲۰۶ء – ۱۵۲۶ء) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے عام طور پر یہ مشہور ہے کہ اس میں فقہ علماء کی خصوصی توجہ کا مرکز بنا اور تدریسی و تصنیفی سرگرمیاں زیادہ تر اسی میدان میں نمایاں ہوئیں اور مزید یہ کہ سلاطین کی علمی دلچسپی کا مظہر بھی خاص طور پر فقہ ہی کا میدان رہا۔ اس سے فطری طور پر یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ اس عہد میں فقہ کے بالمقابل تفسیر و حدیث کو نظر انداز کیا گیا یا انھیں وہ اہمیت نہ دی گئی جس کے یہ علوم دینیہ مستحق تھے لیکن تاریخی مآخذ اور علماء کے تذکروں میں اس عہد کی تدریسی و تصنیفی سرگرمیوں اور علمی خدمات سے متعلق جو مواد بکھرا پڑا ہے ان کے مطالعہ و تجزیہ سے ایک دوسرا تاثر ابھرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ فقہ کے ساتھ ساتھ تفسیر و حدیث کے میدان میں بھی معاصر علماء نے نہ صرف دلچسپی لی بلکہ ان علوم میں ان کے کارنامے قدر و قیمت کے اعتبار سے دوسرے مذہبی علوم سے کچھ کم نہ تھے[1] یہ اور بات ہے کہ مورخین و تذکرہ نگار فقہی سرگرمیوں اور فقہاء کے کارناموں کو کچھ زیادہ نمایاں انداز میں پیش کرتے ہیں خواہ فقہ کی جانب اپنے ذہنی رجحان کی وجہ سے یا درباری و سیاسی حلقوں میں اس کی مقبولیت کی بنا پر یا کسی اور سبب سے۔ ذیل میں علم قرآن میں عہد سلطنت کے علماء کی دلچسپیوں اور ان کی تدریسی و تصنیفی خدمات کا ایک مطالعہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس سے اس عہد میں قرآنی علوم کی نشر و اشاعت کا کچھ اندازہ ہوگا اور اس میدان میں علماء وقت کے کارناموں کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ زیر بحث موضوع کی تفصیلات میں جانے سے قبل یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ "علم قرآن" ایک نہایت وسیع اصطلاح ہے یہاں میرا مقالہ

© rasailojaraid.com

اس عہد کی درسیات میں قرآنی تعلیم کے مقام، علم تفسیر سے علماء کی رغبت اور فن تفسیر میں تصنیفی و تالیفی کارناموں کے جائزہ تک محدود ہوگا۔

مسلمانوں میں ناظرہ قرآن کی تعلیم کا رواج ہمیشہ رہا ہے اس ضمن میں عہد سلطنت کوئی استثنائی حیثیت نہیں رکھتا لیکن اس عہد کا امتیاز یہ تھا کہ فن تجوید یا صحت مخارج کے ساتھ قرآن پڑھانے کا اہتمام کیا جاتا تھا، معاصر ماخذ میں یہ صراحت ملتی ہے کہ اس وقت مکاتب و مدارس میں قرآن پڑھانے کے لیے ایسے اساتذہ کا تقرر کیا جاتا تھا جو فن تجوید یا قرأت میں مہارت رکھتے تھے، یہ ماہرین فن "مقری" یا "قرآن خواں" کے لقب سے معروف ہوتے تھے[۲۵]۔ عہد سلطنت میں جو علماء خاص طور سے اس فن میں ممتاز تھے اور مقری کے لقب سے مشہور تھے وہ تھے علاء الدین مقری، جمال الدین شاطبی، خواجہ زکی الدین دہلوی اور علاء الدین نیلی، یہ دہلی کے معروف اساتذہ قرآن میں سے تھے جن سے لوگ کثیر تعداد میں فیضیاب ہوئے، معاصر مورخ ضیاء الدین برنی کے بقول یہ فن قراءت پر اس درجہ عبور رکھتے تھے کہ خراسان و عراق میں ان کا ہمسر ملنا مشکل تھا[۲۶]۔ اس وقت قرآن کی تعلیم میں فن تجوید کو جو اہمیت دی جاتی تھی اس کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ غلاموں و نومسلموں کے سلسلہ میں بھی اس کا اہتمام کیا جاتا تھا یہاں تک کہ اس فن کے بعض اساتذہ اس طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ اپنے اولین استادوں میں شادی مقری کا ذکر کرتے ہیں جن سے انھوں نے بچپن میں بدایوں میں قرآن شریف پڑھا تھا۔ فوائد الفواد (ملفوظات شیخ نظام الدین اولیاؒ، مرتبہ امیر حسن سنجری) سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ شادی مقری ایک آزاد شدہ غلام تھے اور قراءت سبعہ سے بخوبی واقفیت رکھتے تھے، ان کے آقا خواجگی مقری بھی اس فن کے ماہر تھے[۲۷]۔ یہ عین ممکن ہے کہ ان کے آقا ہی نے انھیں اس فن کی تعلیم دی ہو۔ شیخ نظام الدین ابوالموید کے ارادت مندوں اور عہد بلبنی کے مشہور قاریوں میں قاسم مقری بھی تھے یہ فن تجوید کی تعلیم دینے کے علاوہ اپنے پیر و مرشد کی مجلس میں لوگوں کو اپنی قراءت سے محظوظ کرتے تھے جیسا کہ شیخ نظام الدین اولیاء نے خود شیخ نظام الدین ابوالموید کی ایک مجلس کا حال بیان کرتے ہوئے قاسم مقری کا تذکرہ کیا ہے[۲۸]۔ خود شیخ نظام الدین اولیاء کے مریدوں میں سے شیخ شہاب الدین دہلوی فن تجوید و قراءت میں اپنی مہارت کے لیے مشہور تھے، اور بقول صاحب سیر الاولیاء ان کی آواز "لحن داؤدی" کا سا اثر رکھتی تھی ان کی اسی خصوصیت کی بنا پر شیخ نے انھیں امامت نماز کی خدمت سپرد کی تھی جو تاحیات جاری رہی[۲۹]۔ عہد سلطنت

کے آخری حصہ (یعنی پندرہویں صدی عیسوی کے خاتمہ اور سولہویں صدی کی ابتدا) میں جو معلمین قراءت گزرے ہیں ان میں محمد بن محمود اور سلیمان بن عفان مندوی خاص طور سے قابل ذکر ہیں، تذکروں میں یہ دونوں مقری کے لقب سے منسوب کیے گئے ہیں۔ محمد بن محمود گجرات کے رہنے والے تھے اور وہاں کے ایک ممتاز عالم راجح بن داؤد کے اساتذہ میں شامل تھے۔[۸] جبکہ سلیمان بن عفان سے قرآن پڑھنے والوں میں چشتی صابری سلسلہ کے مشہور بزرگ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا نام بھی مذکور ہے۔ صاحب اخبار الاخیار کے خیال میں وہ فن تجوید میں یکتائے زمانہ تھے (وی درفن تجوید قرآن یگانہ عصر بود)[۹] ان چند ممتاز ماہرین قراءت کے علاوہ تقریباً تمام سلاطین دہلی کے عہد میں اہل علم و فن کے ضمن میں "مقریوں" کا عمومی تذکرہ ملتا ہے۔

قرآن کی تعلیم اور اس کی نشر و اشاعت سے جو علوم وابستہ ہیں ان میں کتابت قرآن کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے اس دور میں جبکہ طباعت کی سہولتیں مہیا نہ تھیں قرآن کی اشاعت کا یہی واحد ذریعہ تھا اس لیے اس فن کی ضرورت و اہمیت اپنی جگہ مسلم تھی جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کتابت قرآن ایک نیک مشغلہ تصور کیا جاتا تھا اور خیر و برکت کا ذریعہ بھی اس لیے اس فن کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی اور اسے پروان چڑھنے کا موقع ملا جو لوگ اسے وجہ معاش کے طور پر اختیار کرتے تھے وہ اس کا معاوضہ کم سے کم حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے شیخ فخر الدین مروزی محمد بن تغلق کے معاصر اور ۱۴ ویں صدی عیسوی کے نامور علماء میں سے تھے ان کا مستقل مشغلہ کتابت قرآن تھا وہ اپنے کتابت کردہ نسخوں کا ہدیہ صرف فی جزو چہار جیتل کے حساب سے وصول کرتے تھے جبکہ اس وقت بازار میں عام شرح کتابت فی جزو شش گانی تھی۔ اگر کوئی برکت کے طور پر ۴ جیتل سے زیادہ دینے کی کوشش کرتا تو اسے قبول نہ کرتے[۹] سلطان ناصر الدین محمود کی بابت معاصر مورخین کا اتفاق ہے کہ وہ انیس سال تک اسی مشغلہ میں مصروف رہے اور اسی سے وجہ کفاف حاصل کرتے رہے ان کے بارے میں یہ بھی شہادت ملتی ہے کہ جب وہ اپنے نسخہ کو بازار میں ہدیہ کرنے کے لیے بھیجتے تو خریدار سے کاتب کا نام پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے تاکہ سلطان کا نسخہ سمجھ کر کوئی زیادہ قیمت نہ لگائے[۱۰] عہد سلطنت میں قرآن کی کتابت کے لیے نہ صرف عام طرز کتابت اختیار کیا جاتا تھا بلکہ اس میں کتابت کے اعلیٰ نمونے اور فن خطاطی کا مظاہرہ بھی کیا جاتا تھا اسی دہلی میں جہاں قرآن کا مکمل نسخہ ایک یا دو تنکہ ہدیہ کے عوض دستیاب تھا[۱۱] بعض کاتبوں کے نسخہ کا ہدیہ پانچ سو تنکہ تک ہوتا تھا۔

© rasailojaraid.com

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بیان کے مطابق جلال الدین مانکپوری (متوفی ۱۲۳۵ء) کی کتابت اس قدر خوبصورت اور معیاری ہوتی تھی کہ ان کے کتابت کردہ قرآن کے نسخے دہلی میں بآسانی پانچ سو تنکہ ہدیہ میں فروخت ہو جاتے تھے[۱۳] یہ عین ممکن ہے کہ ان کے نسخے مطلا و مذہب بھی ہوتے رہے ہوں، اُس دور میں کتابت قرآن میں دلچسپی اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ جو لوگ اس فن سے واقف نہیں تھے وہ قرآنی نسخوں کی تصحیح میں رغبت رکھتے تھے اور اس کو باعث سعادت تصور کرتے تھے۔

قرآنی تعلیم کے ان ابتدائی مدارج اور قرآنی علوم کے ان سادہ مظاہر کے علاوہ اس ضمن میں اس عہد کے دوسرے کارناموں اور علماء کی خدمات کے واضح ثبوت ملتے ہیں یہاں سب سے پہلے عہد سلطنت کی درسیات میں تفسیر کا مقام واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت کی درسیات کے بارے میں عام طور پر یہ مشہور ہے کہ اس میں فقہ کا عنصر غالب تھا اور یہ کہ مدارس اور علماء کے انفرادی مرکزوں میں فقہ ہی کی تعلیم پر خاص زور دیا جاتا تھا۔ لیکن اس عہد کے نصاب کا تجزیاتی مطالعہ بالخصوص فقہ و تفسیر کے نصاب کا موازنہ اس حقیقت کا انکشاف کرتا ہے کہ تفسیر کا نصاب کسی بھی حیثیت سے فقہ سے کمتر نہ تھا۔ اس وقت فقہ کے مروجہ نصاب میں مختصر القدوری، مجمع البحرین[۱۴] اور ہدایہ تین کتابیں شامل تھیں اول الذکر دونوں کتابیں "علم ضروری" کے نصاب کا جز تھیں جس کی تکمیل کے بغیر کوئی اس زمانہ کی اصطلاح میں "دانش مند" کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا تھا[۱۵] ہدایہ علم ضروری سے آگے بڑھ کر "فضل" یا "منتہیانہ" درجہ کے نصاب میں شامل تھی[۱۶] اسی کے بالمقابل تفسیر کی درسیات میں بھی تین کتابیں۔ تفسیر مدارک، بیضاوی و کشاف۔ رائج تھیں ان تینوں میں کشاف کو خصوصی اہمیت حاصل تھی[۱۷] اس کی وجہ یہ تھی کہ آیات کریمہ کی ترجمانی و تشریح کے ضمن میں الفاظ کی لغوی تحقیق، وجوہ اعراب اور علم بیان و معانی کے مسائل سے جس انداز سے اس میں بحث کی گئی ہے وہ دوسری تفسیروں میں نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ لغوی و لسانیاتی تحقیق کے ساتھ فہم قرآن کا مادہ پیدا کرنے کے لیے یہ تفسیر بہت مفید سمجھی جاتی ہے گرچہ صاحب تفسیر کے عقائد و نظریات کی وجہ سے یہ ہمیشہ محل نظر رہی ہے۔ عہد زیر بحث میں اس کی مقبولیت کا ثبوت اس سے بھی فراہم ہوتا ہے کہ اس عہد کے متعدد ممتاز علماء (مثلاً فرید الدین شافعی، نصیر الدین محمود بن یحیٰی اودھی، شمس الدین یحیٰی اودھی، سید محمد کرمانی، قاضی عبدالمقتدر، قاضی شہاب الدین دولت آبادی وغیرہم) کے تذکرہ

میں درسی کتابوں کے ضمن میں خصوصیت سے کشاف کے پڑھنے پڑھانے کا حوالہ ملتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ بعض معاصر صوفی لٹریچر سے جہاں اس تفسیر کی مذمت ظاہر ہوتی ہے وہیں صوفیوں کے حلقوں میں اس کے پڑھنے پڑھانے اور مطالعہ کا ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے[۱۷]۔ خود شیخ نظام الدین اولیا اور ان کے مریدوں کے ضمن میں اس کے متعدد تذکرے ماٰخذ میں موجود ہیں، اس تفسیر سے شیخ کی دلچسپی اس واقعہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ان کے ایک مرید رکن الدین حنفی نے جو خوشخط کے لیے مشہور تھے درسی کتابوں میں خاص طور سے کشاف کا قلمی نسخہ ان کی خدمت میں پیش کیا جسے انھوں نے بخوشی قبول کیا[۱۸]۔ بہرحال اپنی فنی خصوصیات کی وجہ سے تفسیری درسیات میں کشاف کی مقبولیت پورے عہد سلطنت میں باقی رہی اور علما کی اس سے دلچسپی برقرار رہی اور قابل غور امر یہ ہے کہ اسے عمومی درسیات سے اس وقت خارج کیا گیا جب کہ مغل دور کے آخر میں درسی نصاب ترمیمی مراحل سے گذرا[۱۹]۔ البتہ کشاف سے مناسبت قائم رکھنے کے لیے تفسیر بیضاوی (جو اصلاً تفسیر کشاف و رازی سے مستفاد ہے) کے منتخب اجزا باقی رکھے گئے[۲۰]۔ ان تفصیلات سے بخوبی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عہد سلطنت میں تفسیری نصاب دیگر دینی علوم سے کمتر نہ تھا اور اگر تفسیری نصاب کا اختصار یا ہلکا پن تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ حقیقت نگاہوں سے نہیں اوجھل ہونی چاہیے کہ اس وقت کی درسیات زیادہ تر تمرینی نوعیت کی تھیں اور ان سے مقصود طلبہ میں سوچنے و سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنا اور مطالعہ کی استعداد بڑھانا تھا تاکہ وہ از خود مختلف مضامین کی کتابیں پڑھنے اور ان کے مطالب گرفت کرنے کے لائق ہو جائیں اسی نقطۂ نظر سے ہر فن کی منتخب کتابیں نصاب میں رکھی جاتی تھیں جو عموماً مجمل اور لغوی و فنی اعتبار سے پیچیدہ ہوتی تھیں، غور و فکر کا عادی بنانے اور قوت فہم تیز کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں سمجھا جاتا تھا کہ ہر مضمون کے لیے لمبا چوڑا نصاب متعین کیا جائے یا درسیات میں کتابوں کی لمبی فہرست شامل کی جائے۔

عہد سلطنت میں نہ صرف یہ کہ تشریح و ترجمانی کے ساتھ قرآن کی تعلیم پر زور دیا جاتا تھا اور تفسیر درسیات کا ایک لازمی جز تھا بلکہ اس فن میں گہری دلچسپی اور مہارت تامہ رکھنے والے علماء و فضلاء بھی اس وقت پائے جاتے تھے۔ انھوں نے خواہ مدارس میں مسند تدریس کو زینت بخشا یا انفرادی مجالس کے ذریعہ علم کی روشنی پھیلائی یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ ان کے ذریعہ قرآن فہمی کا ذوق پروان چڑھا اور فن تفسیر کو رواج ملا اور اہم بات یہ ہے کہ ان میں

© rasailojaraid.com

ہندوستانی نژاد علما بھی شامل تھے جو اُسی تعلیمی نظام کے پروردہ اور مروجہ درسیات سے فیضیافتہ تھے جس سے علم تفسیر وحدیث سے پہلوتہی منسوب کی جاتی ہے۔ ہندوستان کے مسلم عہد کے ابتدائی دور کے علمار تفسیر میں سید محمد اسمٰعیل بخاری (متوفی ۴۴۸ھ/۱۰۵۶ء) کا نام سرفہرست آتا ہے جو محمود غزنوی (۹۹۸ - ۱۰۳۰ء) کے معاصرین میں سے تھے یہ اصلاً بخارا کے رہنے والے تھے جیسا کہ ان کی نسبت سے واضح ہے اور ۱۱ویں صدی کے شروع (۱۰۰۴ء) میں لاہور میں سکونت پذیر ہوئے ہمارے مآخذ کا عام طور پر اس پر اتفاق ہے کہ وہ علم تفسیر وحدیث دونوں میں خصوصی دستگاہ رکھتے تھے اور لاہور میں پہلے پہل ان علوم کی اشاعت انھیں کی مرہون منت تھی۔[۲۱] سلطان شہاب الدین غوری (۱۱۷۵-۱۲۰۶ء) کے معاصرین میں سید مرتضٰی کوفی (متوفی ۵۹۰ھ/۱۱۹۴ء) تفسیر وحدیث کے مشہور عالم گزرے ہیں۔ ان کی علمی صلاحیت بالخصوص دینی علوم میں مہارت سلطان کی توجہ کا باعث بنی اور وہ مقربین بارگاہ میں شامل کیے گئے۔ ان میں سپاہیانہ اوصاف بھی بدرجہ اتم پائے جاتے تھے اس لیے سلطان نے ان کے علم و فضل سے استفادہ کے علاوہ اپنے فاتحانہ اقدامات میں بھی ان کی صلاحیتوں کو استعمال کیا۔[۲۲] بیرون ہند سے آنے والے علمار میں جو علم تفسیر میں اپنا امتیاز رکھتے تھے مولانا نجم الدین دمشقی بھی شامل ہیں۔ یہ سلطان غیاث الدین بلبن (۱۲۶۶-۱۲۸۶ء) کے زمانہ کے مشہور علمار میں سے تھے معاصر مورخ ضیار الدین برنی کے بقول یہ صاحب تفسیر کبیر امام فخرالدین رازی کے شاگرد تھے اور سلطان کو ان سے خاص عقیدت تھی۔[۲۳] ایک دوسرے مورخ نورالحق دہلوی نے انھیں امام رازی کے "شاگرد خاص" کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔[۲۴] علم تفسیر میں نجم الدین دمشقی کی دلچسپی اور سلطان کا ان سے تعلق یقیناً اس علم کی اشاعت کا سبب بنا ہوگا۔ یہاں یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ غیاث الدین بلبن نے اپنے بیٹوں (شہزادہ محمد و محمود) کو مختلف موقعوں پر جو نصیحتیں کی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ انھیں اپنے دارالسلطنت کو علمار و مشائخ، مفسرین و محدثین اور دوسرے اہل علم و ہنر سے معمور رکھنا چاہیے۔[۲۵]

سلاطین دہلی میں علاؤالدین خلجی کا زمانہ (۱۲۹۶ - ۱۳۱۶ء) علمی و تمدنی ترقی کے لیے معروف ہے۔ ضیار الدین برنی کے بیان کے مطابق تفسیر فقہ واصول فقہ اصول دین و معقولات نحو و لغت اور کلام و منطق جیسے مختلف علوم میں یدطولیٰ رکھنے والے علمار اس وقت زینت آرائے دارالسلطنت تھے اور ان میں سے ہر ایک اپنے فن میں یگانہ و منفرد تھا یہاں تک کہ معاصر اسلامی دنیا میں ان کا ہمسر ملنا مشکل تھا۔ خود برنی کے اپنے الفاظ میں "در تمامی

عصر علائی در دار الملک دہلی علمای بودند کہ انچناں استادان کہ ہر یکی علامہ وقت و در بخارا و در سمرقند و بغداد و مصر و خوارزم و دمشق و تبریز و سفاہان و ری و روم و در ربع مسکوں نباشند[۲۶]

قرآن کی تشریح و ترجمانی اور اس کی تفسیر میں عہد علائی کے جن علماء کو خصوصی ملکہ حاصل تھا ان کے ضمن میں مذکور مورخ نے مولانا ضیاء الدین سُنامی اور مولانا شہاب الدین خلیلی کا ذکر کیا ہے۔ اول الذکر اپنے تبحر علمی اور شریعت کی سخت پابندی کے لیے مشہور تھے ہفتہ میں ایک روز ان کی خصوصی مجلس منعقد ہوتی تھی جس میں ہزاروں لوگ ان کے وعظ و نصیحت سے مستفید ہونے کے لیے شریک ہوتے تھے۔ اس مجلس میں وہ خاص طور سے قرآنی آیات پیش کرتے اور ان کے معانی و مطالب کی وضاحت فرماتے۔[۲۷] ان کی کتاب "نصاب الاحتساب" میں بھی قرآنی آیات و احادیث نبوی کے جا بجا حوالے ملتے ہیں۔ صاحب نزہۃ الخواطر فن تفسیر میں ان کی مہارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "للسنامی الید البیضا فی تفسیر القرآن وکشف حقائقہ"[۲۸]

مولانا شہاب الدین خلیلی بھی اس عہد کے مشہور مذکرین (واعظین) میں سے تھے ان کے درس کا بیشتر حصہ قرآنی آیات کی وضاحت پر مشتمل ہوتا تھا جو یقیناً فہم قرآنی میں ادراک اور قرآنی تعلیمات میں ان کی دلچسپی کا مظہر تھا۔[۲۹] اسی دور کے ایک دوسرے عالم فرید الدین شافعی اودھی تھے۔ عربی زبان و ادب اور علوم دینیہ بالخصوص علم تفسیر میں اپنی مہارت کے لیے ممتاز تھے، اودھ کے شیخ الاسلام تھے اور اسی کے ساتھ تعلیمی و تدریسی مصروفیات بھی جاری رہتی تھیں، مروجہ کتب میں خاص طور پر وہ کشاف کے درس کے لیے مشہور تھے ان کے تفسیری درس سے اودھ کے متعدد معاصر علماء مستفید ہوئے۔[۳۰] عہد علائی کے علماء میں قاضی محی الدین کاشانی (متوفی ۱۳۱۹ء) بھی علوم تفسیر، حدیث و فقہ میں ایک امتیازی مقام رکھتے تھے، اپنے علم و فضل اور تدریسی خصوصیات کی وجہ سے "استاد شہر دہلی" کے لقب سے مشہور تھے، شیخ نظام الدین اولیاء کے مریدوں میں سے تھے اور ان کی مجلس میں احادیث کی تشریح فرماتے تھے اور اس ضمن میں قرآنی آیات سے مثالیں بھی پیش کرتے تھے۔[۳۱]

خلجی خاندان کے مثل تغلق سلاطین کا زمانۂ حکومت بھی علمی سرگرمیوں کے لیے معروف ہے۔ ان سلاطین میں محمد تغلق (۱۳۲۴-۱۳۵۱ء) اور فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱-۱۳۸۸ء) نے علوم و فنون کی اشاعت میں بڑی دلچسپی لی اور خاص طور سے مذہبی علوم ان کی توجہ کا مرکز بنے۔[۳۲] یہ عہد بھی علم تفسیر کی ترویج اور علماء تفسیر کی تعداد کے اعتبار سے دور سابق سے

© rasailojaraid.c

کمتر نہ تھا اس عہد کے اساتذہ تفسیر میں خصوصیت سے مولانا شمس الدین محمد بن یحییٰ اودھی (متوفی ۱۳۴۶ء) شیخ علاء الدین نیلی اودھی (متوفی ۱۳۶۱ء) شیخ نصیر الدین محمود بن یحییٰ اودھی (متوفی ۱۳۵۶ء) کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ اول الذکر دونوں ماہر کشاف مولانا فرید الدین شافعی کی علمی مجلس کے فیض یافتہ اور ان کے ممتاز شرکاء درس میں سے تھے۔ ان دونوں نے تحصیل علم کے بعد دہلی میں درس و افادہ کا سلسلہ شروع کیا اور تفسیر کے بہترین استاد کی حیثیت سے مشہور ہوئے[۳۲] گرچہ اس بات کا قطعی ثبوت نہیں ملتا کہ شیخ نصیر الدین محمود نے مولانا فرید الدین سے کشاف کی تعلیم حاصل کی لیکن یہ صراحت ضرور ملتی ہے کہ ان کے اساتذہ میں مولانا شمس الدین محمد بن یحییٰ (تلمیذ مولانا فرید الدین) بھی شامل تھے۔ شیخ نصیر الدین کا محبوب مشغلہ درس و تدریس تھا اور مذکورہ بالا علماء اودھ کے مثل ان کی تدریسی خدمات بھی دہلی میں جاری ہوئیں۔ ان سے کشاف پڑھنے والوں میں اس عہد کے مشہور عالم قاضی عبد المقتدر دہلوی بھی تھے جن سے صاحب تفسیر بحر مواج قاضی شہاب الدین دولت آبادی جیسے متبحر علماء نے استفادہ کیا۔[۳۴] شیخ نصیر الدین محمود کے خلفاء اور محمد تغلق کے معاصرین میں شیخ کمال الدین علامہ دہلوی (متوفی ۱۳۵۶ء) علم تفسیر و حدیث میں خصوصی دستگاہ رکھتے تھے۔ تذکرہ نگاروں کے خیال میں وہ تفسیر و حدیث و فقہ میں غیر معمولی تبحر کی وجہ سے "علامہ" کے لقب سے مشہور تھے صاحب تذکرہ علماء ہند کے الفاظ میں "چونکہ وی بحدیث و تفسیر و فقہ و اصول یگانہ روزگار بود ویرا علامی گفتند"[۳۵] شیخ یوسف دہلوی (متوفی ۱۳۷۳ء) بھی جن کی علمی خدمات محمد تغلق اور فیروز شاہ تغلق دونوں کے عہد سے تعلق رکھتی تھیں، علوم دینیہ (تفسیر، حدیث و فقہ) کے ماہرین میں شمار کیے جاتے تھے حدائق الحنفیہ کے مصنف کے بقول وہ "عالم علوم ربانی اور ماہر فقہ و حدیث و تفسیر تھے"۔[۳۶] فیروز شاہ کے زمانہ میں جو دینی علوم کی نشر و اشاعت کے لیے پورے عہد سلطنت میں سب سے زیادہ مشہور رہے مولانا جلال الدین رومی قرآنی علوم سے پوری طرح بہرہ ور تھے اسی خصوصیت کی بنا پر سلطان نے انھیں دار السلطنت کے عظیم الشان مدرسہ، مدرسہ فیروز شاہی میں تدریس کی خدمت تفویض کی جس میں وہ تاحیات مصروف رہے اور علم تفسیر و حدیث و فقہ کی اشاعت کرتے رہے۔ ان کی تدریسی خدمات سے بہت سے لوگ فیضیاب ہوئے جن میں شیخ یوسف بن جمال ملتانی (متوفی ۱۳۸۸ء) بھی شامل تھے۔ معاصر مورخ برنی ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "مولانا جلال الدین رومی کہ بس استادی متفنن است دائماً در منصب افادت سبق

com

علوم دینی می گویند و متعلمان را ہموارہ تعلیم می کنند و تفسیر و حدیث و فقہ می خوانند[^] عہد فیروز شاہی میں قرآنی علوم کی ترویج و ترقی اس سے بخوبی واضح ہوتی ہے کہ بعض وزرا (مثلاً تاتار خاں) نے بھی علم تفسیر میں دلچسپی لی اور علما کی ایک منتخب مجلس کی مدد سے تفسیر کا ایسا ضخیم مجموعہ (تفسیر تاتار خانی) مرتب کرایا جو ہر آیت کی تشریح سے متعلق گزشتہ تمام مفسرین کے خیالات اور ان کی اختلافی رایوں کی وضاحت پر مشتمل تھا[^] ظاہر ہے کہ ایسی تفسیر کی ترتیب عمل میں نہیں آسکتی تھی اگر ماہرین قرآنیات کی ایک جماعت اس وقت موجود نہ ہوتی۔

حواشی و مراجع

۱؎ عہد وسطی کے ہندوستان میں علم حدیث کی ترقی کے لیے دیکھئے سید سلیمان ندویؒ کا مقالہ "ہندوستان میں علم حدیث" مقالات سلیمان، دار المصنفین، اعظم گڑھ، ۱۹۶۸ء جلد دوم ص۱-۵۵ اور ڈاکٹر اسحاق احمد، انڈیا کانٹری بیوشن ٹو دی اسٹڈی آف حدیث لٹریچر، اردو ترجمہ بعنوان "علم حدیث میں برعظیم پاک و ہند کا حصہ"، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۸۳ء

۲؎ "قرآن خواں" کا لقب عہد سلطنت کی بعض سیاسی شخصیتوں سے بھی منسوب کیا جاتا ہے۔ فخر مدبر نے سلطان قطب الدین ایبک کے لیے یہی لقب استعمال کیا ہے اور اس کی وجہ بھی بیان کی ہے کہ وہ قرآن شریف اچھی طرح پڑھ لیتا تھا (تاریخ فخر الدین مبارک شاہ، تحقیق و تصحیح سرڈینی سن راس، لندن ۱۹۲۷ء، ص۲۱) تغلق دور کے ایک اہم عہدہ دار ملک قبول جو فیروز شاہ کے زمانہ میں سامانہ و بدایوں کے گورنر بھی رہ چکے تھے "قرآن خواں" کے لقب سے مشہور تھے۔ اسی نسبت سے ان کی ایما سے ترتیب دیا گیا فتاوی کا ایک مجموعہ "فتاوای قران خوانی" کے نام سے معروف ہے گرچہ اب اسکالرس اور فہرست نگار بالعموم اسے "فتاوای قراخانی" کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔ (یحیی سرہندی، تاریخ مبارک شاہی کلکتہ، ۱۹۳۱ء، ص۱۲۷، ۱۳۴-۱۳۵، برنی، تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ ۱۸۶۲ء ص۵۲۷، شمس سراج عفیف، تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ، ۱۸۹۰ء، ص۴۵۴-۴۵۵، فہرست مخطوطات شیرانی، لاہور ۱۹۶۹ء، جلد دوم، ص۲۹۶، فہرست مخطوطات فارسیہ، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، کلکتہ ۱۹۲۴ء، ص۴۹۸-۴۹۹، فہرست مخطوطات فارسیہ، انڈیا آفس، جلد دوم، ص۳۰۶۹۔

۳؎ برنی، ص۳۵۵، ان ماہرین قرأت کے حالات کے لیے ملاحظہ کریں، سید محمد کرمانی، سیر الاولیا، موسسہ انتشارات اسلامی، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص۲۸۵-۲۸۶، سید عبد الحئی، نزہۃ الخواطر، دائرۃ المعارف، حیدرآباد ۱۹۳۱ء الجزء الثانی، ص۴۷، ۸۵۔

۴؎ فوائد الفواد، تصحیح محمد لطیف، لاہور، ۱۹۶۶ء، ص۲۶۲۔

© rasailojaraid.com

۵؎ فوائد الفواد، ص۲۲۳ ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی ، اخبار الاخیار، مطبع محمدی، دہلی، ۱۲۸۳ء، ص۹۴ -

۶؎ سیر الاولیاء، ص۳۰۰ - ۳۰۱، محمد غوثی شطاری، گلزار ابرار، مخطوط مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، حبیب گنج کلکشن، ۲۲/۵، ص۴۶ ۔ نزہۃ الخواطر، الجزء الثانی، ص۵۹ ۔

۷؎ رحمٰن علی، تذکرہ علماء ہند، نولکشور، لکھنؤ، ۱۳۳۲ھ، ص۶۲، نزہۃ الخواطر، الجزء الرابع، ص۱۱۱ -

۸؎ اخبار الاخیار، ص۲۱۲ ۔

۹؎ سیر الاولیاء، ص۳۰۸، اخبار الاخیار، ص۹۰ - ۹۱، نزہۃ الخواطر، الجزء الثانی، ص۱۰۶ -

۱۰؎ برنی، ص۲۶ ، عزالدین عصامی، فتوح السلاطین، مدراس، ۱۹۴۸ء، ص۱۵۶ ، ابوالقاسم ہندو شاہ فرشتہ، تاریخ فرشتہ، نولکشور، ۱۲۸۱ھ جلد اول، ص۷۳

۱۱؎ فوائد الفواد، ص۱۸۹

۱۲؎ اخبار الاخیار، ص۹۰-۹۱ ، تذکرہ علماء ہند، ص۴۱ ، نزہۃ الخواطر، الجزء الثالث ص۴۹ - جلال الدین کی بابت یہ تصریح بھی ملتی ہے کہ وہ ہمیشہ باوضو کتابت قرآن کیا کرتے تھے ۔

۱۳؎ مجمع البحرین احمد بن علی معروف بابن الساعاتی (متوفی ۶۹۴ھ) کی تالیف جسے قدوری و کنز کو سامنے رکھ کر ترتیب دیا گیا تھا بعد میں مغل دور میں جب نصاب میں ترمیم کی گئی تو اس کی جگہ شرح وقایہ کو نصاب میں شامل کیا گیا (عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، کلکتہ، ۱۸۶۹ء ، جلد سوم، ص۸۴ ۔

۱۴؎ سیر الاولیاء ، ص۲۹۹ ، نزہۃ الخواطر، الجزء الثانی، ص۷۷ ۔

۱۵؎ سیر الاولیاء، ص۲۱۷ ، نزہۃ الخواطر، الجزء الثانی، ص۱۱۳ ۔

۱۶؎ سیر الاولیاء، ص۲۱۷ ، اخبار الاخیار، ص۹۴-۹۵ ، تذکرہ علماء ہند، ص۱۴۰ ، نزہۃ الخواطر، الجزء الثانی، ص۱۰۷

۱۷؎ فوائد الفواد، ص۱۸۶ - ۱۸۸ ۔

۱۸؎ سیر الاولیاء، ص۳۲۷ ۔

۱۹؎ بعض جدید اسکالرس نے اس کی توجیہ یہ پیش کی ہے کہ نصاب میں ترمیم کے نتیجہ میں جب معقولات کی کتابوں میں اضافہ ہوگیا تو ان کتابوں کی ضرورت باقی نہ رہی جن کی حیثیت تمرینی تھی یا جن میں متکلمانہ و فلسفیانہ مباحث کی کثرت تھی جیسے اصول فقہ میں "بزدوی" اور تفسیر میں "کشاف" تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں، سید مناظر احسن گیلانی، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۴۴ھ، ص۳۰۹ ، ۲۲۵ — ۲۲۶

۲۰؎ عہد وسطیٰ کی درسیات اور ان میں عہد بعہد ترمیمات کے لیے دیکھئے سید عبدالحی، اسلامی علوم و فنون ہندستان میں، مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۷۰ء، ص۹-۱۸ ، ۲۳ — ۳۰

.com

۲۱؎ فقیر محمد، حدائق الحنفیہ، نولکشور ایڈیشن ص۱۹۴، تذکرہ علماء ہند، ص۱۷۹، نیز دیکھئے مقالات سید سلیمان محولہ بالا جلد دوم، ص۸۲

۲۲؎ دیکھئے "محدثین جونپور" معارف ۱۰ اعظم گڑھ، جلد نمبر ۲۵، شمارہ نمبر ۵ ص۳۴۶ - ۳۴۷

۲۳؎ تاریخ فیروز شاہی، ص۶۴، ۱۱۱، تذکرہ علماء ہند، ص۲۸۸

۲۴؎ زبدۃ التواریخ، روٹوگراف ۱۸۰ (مخطوطہ برٹش میوزیم) ریسرچ لائبریری، شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ورق ۱۷ اب۔

۲۵؎ برنی، ص۱۰۳۔

۲۶؎ ایضاً ص۲۵۳-۲۵۴۔

۲۷؎ ایضاً، ص۳۵۶، نیز دیکھئے اخبار الاخیار، ص۱۰۵-۱۰۶، تذکرہ علماء ہند، ص۹۷-۹۸

۲۸؎ نزہۃ الخواطر، الجزء الثانی ص۹۷، ۹۸

۲۹؎ برنی، ص۳۵۶، تذکرہ علماء ہند، ص۲۶۶

۳۰؎ سیر الاولیاء، ص۲۲۳، اخبار الاخیار، ص۹۴-۹۵، تذکرہ علماء ہند، ص۸۶-۸۷، ۱۴۰، نزہۃ الخواطر الجزء الثانی ص۱۰۹

۳۱؎ سیر الاولیاء، ص۱۱۱-۱۱۲، ۳۰۴ - ۳۰۶، اخبار الاخیار، ص۹۵، گلزار ابرار، ص۴۳-۴۴، ۵۵، حدائق الحنفیہ ص۲۷۶ تذکرہ علماء ہند، ص۲۲۱-۲۲۲، نزہۃ الخواطر، الجزء الثانی، ص۱۶۳-۱۶۴۔

۳۲؎ برنی، ص۵۵۸-۵۶۰، سیرت فیروز شاہی، قلمی نسخہ، مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، یونیورسٹی کلکشن، فارسیہ اخبار، ۱۱۱، ص۱۴۷

۳۳؎ سیر الاولیاء، ص۲۳۳، ۲۳۵-۲۳۶-۲۳۹، اخبار الاخیار، ۹۱، ۹۴-۹۵، غلام علی آزاد بلگرامی، سبحۃ المرجان معہد الدراسات الاسلامیہ، علی گڑھ، ۱۹۷۶ء، ص۷۲-۷۳، تذکرہ علماء ہند، ص۸۶-۸۷، ۱۴۰، نزہۃ الخواطر، الجزء الثانی، ص۸۰-۸۱، ص۱۴۷

۳۴؎ سیر الاولیاء، ص۲۴۶-۲۵۲، اخبار الاخیار، ص۸۷-۸۴، ۱۴۶-۱۴۷، گلزار ابرار، ص۵۸-۵۹، تذکرہ علماء ہند ص۱۳۴، ۲۲۸، نزہۃ الخواطر، الجزء الثانی، ص۱۵۸-۱۶۰، ایضاً، الجزء الثالث، ص۱۷

۳۵؎ تذکرہ علماء ہند، ص۱۷۳، حدائق الحنفیہ، ص۲۸۸، نزہۃ الخواطر، الجزء الثانی۔ ص۱۱۶

۳۶؎ حدائق الحنفیہ، ص۲۹۴، نیز دیکھئے تذکرہ علماء ہند، ص۲۵۶، نزہۃ الخواطر، الجزء الثانی، ص۱۷۹

۳۷؎ تاریخ فیروز شاہی، ص۵۶۴، ان کے حالات کے لیے دیکھئے تذکرہ علماء ہند، ص۱۴۱، ۲۵۶، نزہۃ الخواطر الجزء الثانی، ص۲۲، ۱۷۸

۳۸؎ عفیف، تاریخ فیروز شاہی، محولہ بالا، ص۳۹۲

© rasailojaraid.com